اصل حل چند نوجوانوں کو ''القاعدہ'' سے فرضی تعلق کی بنا پر گرفتار کر کے امریکی ایجنسیوں کے حوالے کر دینے سے نہیں ہوسکتا۔ اب تو نوبت یہاں تک آ گئی ہے کہ نہ صرف پاکستان کے اعلیٰ ترین شہرت یافتہ میڈیکل ڈاکٹروں کو جو اپنی خدمت انسانیت کے لیے مثالی معاشرتی مقام رکھتے ہیں بلکہ پاکستان کی پہچان قرار پانے والے سائنسدانوں کو بھی ''دہشت گردوں'' کے ساتھ منسوب کرنے کی مذموم کوشش کی جارہی ہے تاکہ کل انہیں بھی ''قومی وقار'' کے ساتھ سی آئی اے یا ایف بی آئی کے ''امن پسند'' ''اشراف'' کے حوالے کیا جا سکے۔ اگر بالفرض ایسا کر بھی لیا جائے تو مسئلہ حل نہیں ہوتا، اس کا حل سیاسی اخلاقی اور معاشی میدانوں میں طویل المعیاد ترقی وخود انحصاری ہی سے کیا جا سکتا ہے، یہی اسلام کا مقصود و مطلوب ہے۔

مسلم جنگوں کا دور

سیموئل پی ہنٹنگٹن*

ترجمہ: سید راشد بخاری

عصری عالمی سیاست کا دور دراصل مسلم جنگوں کا دور ہے۔ مسلمان کسی بھی دوسری تہذیب کے افراد سے زیادہ ایک دوسرے کے ساتھ اور غیر مسلموں کے ساتھ لڑائیوں میں مصروف رہتے ہیں۔ مسلم جنگوں نے، بین الاقوامی تنازعہ کی اہم ترین شکل میں، سرد جنگ کی جگہ سنبھال لی ہے۔ ان جنگوں میں دہشت گردی کی جنگیں، گوریلا جنگیں، خانہ جنگیاں اور بین الریاستی تنازعات شامل ہیں۔ مسلمانوں میں تشدد کی یہ مثالیں اسلام اور مغرب یا اسلام اور دوسروں کے درمیان، تہذیبوں کے ایک اہم تصادم میں تبدیل ہو سکتی ہیں۔ تاہم ایسا ہونا لازمی نہیں ہے بلکہ زیادہ امکان یہ ہے کہ یہ تشدد مختلف جگہوں پر بکھرا اور پھیلا ہوا رہے۔

مسلم جنگوں کے اس دور کا آغاز ۱۹۸۰ء میں اس وقت ہوا جب سرد جنگ اپنے اختتام کے قریب تھی۔ اس سال عراق نے ایران پر حملہ کر دیا اور اس جنگ میں کم از کم پانچ لاکھ افراد مارے گئے جبکہ زخمی اور معذور ہونے والوں کی تعداد بھی لاکھوں میں تھی۔ ٹھیک اسی عرصے میں افغانستان پر روسی جارحیت سے شدید ترین افغان مزاحمت پیدا ہوئی جس نے ۱۹۸۹ء تک روسی افواج کو افغانستان سے نکل جانے پر مجبور کر دیا۔ اس کامیابی میں امریکی ٹیکنالوجی، سعودی اور امریکی سرمایہ، پاکستانی مدد اور ٹریننگ اور دیگر مسلمان، خاص طور پر عرب، ممالک سے ہزاروں جنگجوؤں [مجاہدین] کی شرکت نے نہایت اہم کردار ادا کیا۔

پھر ۱۹۹۰ء میں صدام حسین نے کویت پر حملہ کر دیا اور اس پر قبضہ کرنے کی کوشش کی۔ امریکہ نے

*Semuel P. Huntington, "The Age of Muslim Wars", *Newsweek*, Dec. 2001 -Feb.2002, Special Davos Edition, pp.6-13.

اسے شکست دینے کے لیے ایک عالمی اتحاد تشکیل دیا جس میں کئی مسلمان ممالک بھی شامل تھے۔ ۱۹۹۰ء کے عشرے میں ہی مختلف ممالک میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان تنازعات پھوٹ پڑے مثلاً بوسنیا، کوسووا، مقدونیا، چیچنیا، آذربائیجان، تاجکستان، کشمیر، بھارت، فلپائن، انڈونیشیا، مشرقِ وسطیٰ، سوڈان اور نائیجریا۔ ان میں سے اکثر تنازعات میں مرکزی شرکت کار افغان جنگ میں لڑنے والے مجاہدین جنگجو تھے اور دنیا بھر کے مختلف ممالک میں مسلم دہشت گرد تنظیموں میں بھی زیادہ تر یہی لوگ شامل ہیں۔

۱۹۹۰ء کے عشرے کے وسط میں دنیا کے کل نسلی تنازعات میں سے تقریباً نصف میں یا تو مسلمان آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ برسرِ پیکار تھے یا غیر مسلموں کے ساتھ مصروفِ جنگ رہے۔ معروف جریدے ''دی اکنامسٹ'' کی شائع کردہ ایک فہرست کے مطابق ۱۹۸۳ء سے ۲۰۰۰ء کے درمیان ہونے والے بین الاقوامی دہشت گردی کے ۱۶ بڑے واقعات میں سے ۱۱ اور ممکنہ طور پر ۱۲ واقعات کے ذمہ دار مسلمان تھے۔ امریکی محکمہ خارجہ نے جن سات ممالک کو دہشت گردی کے مددگار ممالک قرار دیا ہے ان میں سے پانچ مسلم ممالک ہیں۔ اسی طرح دہشت گردی میں ملوث غیر ملکی تنظیموں میں سے اکثر مسلمان تنظیمیں ہیں، ۱۹۸۰ء سے ۱۹۹۵ء کے دوران جوابی کارروائیوں کے لیے امریکی فوجیں مسلمانوں کے خلاف ۱۷ فوجی آپریشنوں میں مصروف رہیں۔

انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ آف اسٹریٹجک اسٹڈیز کے مطابق ۲۰۰۰ء میں ۳۲ فوجی تنازعات جاری تھے جن میں سے دو تہائی میں مسلمان ملوث تھے۔ یاد رہے کہ مسلمان دنیا کی آبادی کا صرف پانچواں حصہ ہیں۔ امریکی انتظامیہ نے ۱۱ ستمبر کے دہشت گردی کے واقعات کو جو ''نئی جنگ'' کا نام دیا ہے درحقیقت یہ کوئی نئی جنگ نہیں ہے۔ یہ دہشت گردی کے ہی گزشتہ واقعات کا تسلسل ہے جن میں مسلمان ملوث ہیں اور جن کی وقوع پزیری میں اضافہ ہوگیا ہے۔

قبل ازیں مسلم دہشت گردی کے واقعات اکا دکا اور مقابلتاً محدود تعداد میں رونما ہوتے تھے۔ ۱۹۸۳ء میں بیروت میں امریکی میرین بیرکس پر حملے میں ۲۹۹ افراد مارے گئے تھے۔ ۱۹۸۸ء میں پرواز پین ایم ۱۰۳ میں ۲۷۰ افراد اور ۱۹۹۸ء میں افریقہ میں امریکی ایمبیسیوں پر حملے میں ۲۲۴ افراد ہلاک

ہوئے تھے۔ مختلف مسلمان گروہ اور ریاستیں ان واقعات میں ملوث تھیں۔ تاہم ۱۹۹۳ء کے آغاز سے امریکیوں اور امریکی تنصیبات پر جتنے بھی حملے ہوئے وہ سب بظاہر اسامہ بن لادن سے منسوب ہیں۔ ۱۱ ستمبر سے اس کے عالمی دہشت گردی کے ایک بڑے نیٹ ورک کی موجودگی کا انکشاف ہوا، جس کی شاخیں غالباً ۴۰ ممالک میں موجود ہیں اور جن کے پاس اتنی مہارت اور وسائل ہیں کہ وہ اچھی منصوبہ بندی کے ساتھ ایک جیسے تسلسل میں حملے کر سکتے ہیں۔ یہ نیٹ ورک پہلی بار خود امریکہ کے اندر تباہ کن اثرات کے ساتھ ظاہر ہوا۔ ان کے اقدامات کیمیائی اور حیاتیاتی حملوں سے مماثل ہیں جس میں ایٹمی ہتھیاروں کا بھی ایک دور از کار امکان موجود ہے۔ اس طرح مسلم جنگوں کا دائرہ امریکہ تک وسیع ہو گیا ہے۔

مخصوص جنگوں کی ذمہ داری بلاشبہ کسی ایک پر نہیں ڈالی جا سکتی۔ سوڈان کی حکومت عیسائیوں کے خلاف جاری جنگ کی ذمہ دار ہے تو اسرائیلی حکومت دوسرے انتفادہ کے جواب میں یہودی بستیوں کی تعمیر کے ساتھ ساتھ مغربی کنارے اور غزہ میں اپنی فوجی موجودگی برقرار رکھے ہوئے ہے۔ تاہم مجموعی طور پر، مسلم جنگوں کے دور کی وجوہات زیادہ عمومی نوعیت کی ہیں۔ ان میں اسلامی عقیدہ و ایمان کی بدیہی فطرت کا کوئی عمل دخل نہیں ہے جسے اس کے پیروکار عیسائیت کے پیروکاروں کی طرح اپنی خواہشات کے مطابق جنگ یا امن، کسی کا بھی جواز پیدا کرنے کے لیے استعمال کر سکتے ہیں۔ حالیہ مسلم جنگوں کی وجوہات ساتویں صدی کے مذہبی عقیدہ میں نہیں بلکہ سیاست میں پوشیدہ ہیں۔

اول، گزشتہ چند عشروں میں مسلم اقوام میں سماجی، تہذیبی اور سیاسی سطحوں پر جو چند اہم تبدیلیاں اور ترقیاں ہوئی ہیں ان میں ایک اہم پیش رفت اسلامی شعور اور شناخت کے ساتھ اسلامی تحریکوں کا احیاء ہے۔ یہ اسلامی بیداری زیادہ تر جدیدیت اور عالمگیریت کے ردعمل میں پیدا ہوئی ہے اور کئی لحاظ سے اس کی نوعیت بے حد تعمیری ہے۔ اسلامی تنظیمیں شہروں میں رہنے والے مسلمانوں کی بہبود، سماجی امداد، اخلاقی راہنمائی، صحت اور تعلیم کی سہولیات فراہم کرنے اور بے روزگاری جیسے مسائل سے نمٹنے کے لیے آگے بڑھیں۔ یعنی انہوں نے عوام کو وہ سب خدمات مہیا کرنے کی کوشش کی اکثر مسلم حکومتیں جن کی فراہمی میں ناکام ہو گئی ہیں۔ مزید براں، اکثر مسلم معاشروں میں اسلام پسندوں نے بے حد جابر حکومتوں کے بالمقابل حزب اختلاف کا کردار ادا کیا ہے۔ ایک محدود تعداد میں انتہا پسندوں نے بھی اسلامی احیاء کی

تحریکوں سے ہی جنم لیا ہے جو غیر مسلموں کے خلاف دہشت گردی اور گوریلا جنگوں کے لیے بھرتی فراہم کرتے ہیں۔

دوم، پوری مسلم دنیا خاص طور پر عرب میں، مغرب کی دولت، طاقت اور ثقافت کے خلاف غم وغصہ، رنج، رشک وحسد اور مخاصمت پائی جاتی ہے۔ جزواً ایک طرف یہ بیسویں صدی کے بیشتر حصے میں مسلم دنیا پر مغرب کے غلبے اور استعمار کا نتیجہ ہے، دوسری طرف یہ امریکی پالیسیوں، خصوصاً ۱۹۹۱ء میں عراق پر حملے اور امریکہ اسرائیل کے قریبی تعلقات کے خلاف بھی ایک ردعمل ہے۔ وسیع معنوں میں یہ مسلم عوام کی طرف سے اپنی ہی بدعنوان، غیر موثر اور ظالم و جابر حکومتوں کے خلاف احتجاج بھی ہے جنہیں مغربی حکومتوں کی حمایت حاصل ہوتی ہے۔

سوم، مسلم دنیا میں قبائلی، مذہبی، نسلی، سیاسی اور ثقافتی اختلافات بھی آپس میں تنازعات اور تشدد کا باعث بنتے ہیں۔ ان تفرقات سے مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان بھی تشدد فروغ پاتا ہے۔ مختلف مسلم گروہ اور حکومتیں مثلاً سعودی عرب اور ایران اپنے اپنے مخصوص برانڈ کے اسلام کی اشاعت کے لیے بوسنیا سے فلپائن تک غیر مسلموں سے برسرپیکار مسلمان گروہوں کی مدد کرتے ہیں۔ اگر پوری مسلم دنیا پر ایک یا دو ریاستوں کا غلبہ یا حکمرانی ہوتی، جو عثمانی خلافت کے خاتمے کے بعد سے ممکن نہیں ہو سکا ہے، تو (شائد) مسلمانوں کے درمیان، بلکہ اغلباً مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان بھی اس قدر تشدد فروغ نہ پاتا۔

چہارم، مسلم معاشروں میں اسلامی احیاء کے ساتھ ساتھ شرح پیدائش بھی بہت زیادہ ہے۔ بنابریں ان معاشروں میں ۱۶ سے ۳۰ سالہ نوجوانوں کی کثرت ہے جس سے اسلامی احیاء کے عمل کو بھی تقویت ملی ہے۔ نوجوانوں کے یہ تعلیم یافتہ اور نیم تعلیم یافتہ جتھے زیادہ تر بے روزگار ہیں چنانچہ ان میں سے کچھ مغرب کی طرف ہجرت کر جاتے ہیں، کچھ بنیاد پرست تنظیموں اور سیاسی جماعتوں میں شمولیت اختیار کر لیتے ہیں اور محدود تعداد میں یہ نوجوان مسلم گوریلا گروپوں اور دہشت گردوں کے نیٹ ورک کا حصہ بھی بن جاتے ہیں۔ تمام معاشروں میں نوجوان مرد سب سے زیادہ تشدد پھیلانے کا باعث ہوتے ہیں اور مسلم معاشروں میں ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

یہ عوامل مسلمانوں میں بڑھتے ہوئے تشدد کی وجوہات میں شامل ہیں۔ آج کا تشدد اپنی نوعیت کے اعتبار سے مقامی، محدود اور بکھرا ہوا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا یہ تشدد اسلام اور مغرب کے درمیان، اور ممکنہ طور پر دوسری تہذیبوں کے ساتھ بھی، تہذیبی تصادم کی شکل اختیار کر سکتا ہے؟ یہی واضح طور پر اسامہ بن لادن کا مقصد ہے۔ اس نے امریکہ کے خلاف مقدس جنگ کا اعلان کیا ہے اور مسلمانوں کو ترغیب دی ہے کہ وہ امریکیوں کو بلا لحاظ قتل کریں اور اس جہاد کے لیے اس نے ہر جگہ مسلمانوں کو متحرک کرنے کی بے انتہا کوشش کی۔ اس نے اسلام میں کئی طرح کی تقسیم اور تفرقات کے سبب اپنی اس کوشش میں کامیابی حاصل نہیں کی ہے۔

دوسری طرف امریکہ نے دہشت گردی کے خلاف عالمی جنگ کا اعلان کر دیا ہے، لیکن درحقیقت مختلف دہشت گرد گروہوں کے خلاف مختلف حکومتوں کی طرف سے کئی جنگیں جاری ہیں۔ امریکہ کی بنیادی دلچسپی القاعدہ کے ساتھ ہے۔ دیگر حکومتیں مقامی دہشت گردوں کے خلاف کارروائیوں میں دلچسپی رکھتی ہیں۔

عمومی طور پر تہذیبوں کے تصادم کی شروعات ہو چکی ہیں۔ ۱۱ ستمبر کے واقعات کے خلاف ردعمل اور امریکی جواب تہذیبی خطوط پر ہی سامنے آئے ہیں۔ مغربی ممالک کی حکومتوں اور عوام نے دہشت گردی کے خلاف جنگ میں امریکہ کے ساتھ گہری ہمدردی کا اظہار کیا اور اس کا بھرپور ساتھ دیا۔ یہ بات برطانیہ، کینیڈا اور آسٹریلیا کے حوالے سے خصوصاً سچ ہے۔ یہ معاشرے امریکیوں کے ساتھ ثقافتی یگانگت رکھتے ہیں اور انہوں نے اس جنگ کے لیے بلا تاخیر اپنی فوجیں مہیا کر دیں۔ ان کے علاوہ جرمنی، فرانس اور دیگر یورپی اقوام نے بھی جو امریکہ اور اس کے مقاصد کے ساتھ ہم آہنگی کا اظہار کرتے ہیں، بھرپور ساتھ دیا۔ ان اقوام نے امریکہ پر حملے کو خود اپنے اوپر حملہ تصور کیا جس کا اظہار معروف فرانسیسی رسالے ''لی مونڈے'' (Le Monde) کی اس سرخی سے ہوتا ہے ''ہم سب امریکی ہیں''۔ برلن کے شہریوں نے جو اعلان کیا اس سے صدر کینیڈی کے مشہور جملے کی یاد تازہ ہوئی کہ ''ہم نیویارکرز ہیں''۔

غیر مغربی اور غیر مسلم تہذیبوں میں سے روس، چین، بھارت، جاپان نے بھی مثالی ہمدردی اور مددگاری کا اظہار کیا۔ تقریباً تمام مسلم حکومتوں نے ان دہشت گرد حملوں کی مذمت کی۔ وہ مسلم انتہا پسند

گروہوں کی طرف سے خود اپنی آمرانہ حکومتوں کے خلاف ممکنہ حملوں سے بھی خوف زدہ تھے۔ تاہم صرف ازبکستان، پاکستان اور ترکی نے امریکی جوابی حملے میں براہ راست امداد فراہم کی۔ جبکہ اہم عرب حکومتوں میں سے صرف اردن اور مصر اس سلسلے میں آگے آئے۔ اکثر مسلم ممالک میں اکثر لوگوں نے دہشت گردی کے واقعات کی مذمت کی، ایک محدود اقلیت نے ان کی حمایت کی، بڑھاوا دیا اور خوشی کا اظہار کیا۔ جبکہ ایک بہت بڑی تعداد نے امریکی جوابی کارروائی پر غم و غصے کا اظہار کیا۔ امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی اپنے مخالفین کے خلاف فوجی کارروائیاں جتنی طوالت اور شدت اختیار کریں گی، مسلم ردعمل بھی اسی تناسب سے بڑھتا اور شدت اختیار کرتا چلا جائے گا۔ ۱۱ستمبر کے واقعات سے مغربی اتحاد پیدا ہوا ہے، جبکہ ۱۱ستمبر کا طویل اور شدید جواب مسلم اتحاد کی راہ ہموار کر سکتا ہے۔

مسلم جنگوں کا دور اس وقت ختم ہوگا جب اس کی وجوہات تبدیل یا ختم ہوں گی۔ جیسے جیسے نئی نسلیں پیدا ہوں گی، ممکن ہے اسلامی احساس کی شدت میں کمی آئے۔ جیسا کہ ایران میں ہوا ہے۔ مسلمانوں کی مغرب کے خلاف نفرت اور غصہ کو کم کیا جا سکتا ہے اگر اسرائیل کے بارے میں امریکی پالیسی میں تبدیلی آ جائے۔ تاہم آگے جا کر مسلم ممالک میں سماجی، معاشی اور سیاسی حالات میں بہتری پیدا کرنا بھی ضروری ہو گا۔ جو مسلم حکومتیں اپنے عوام کی بنیادی بہبود اور اقتصادی ضروریات کا خیال رکھنے میں ناکام ہو جاتی ہیں اور ان کی شہری آزادیوں کو کچلنے کی کوشش کرتی ہیں وہ اپنے متشدد مخالفین پیدا کرتی ہیں، جو نہ صرف ان کے خلاف ہوتے ہیں بلکہ ان کی مددگار مغربی حکومتوں کی مخالفت بھی کرتے ہیں۔

ایسی ہی مثال ان غیر مسلم حکومتوں کی ہے، مثلاً روس، بھارت اور اسرائیل، جو اپنی مسلمان آبادیوں کو ان کی مرضی کے خلاف کنٹرول کرنے کی کوشش کرتی ہیں، جبکہ وہ اپنی حکومتیں چاہتے ہیں، چاہے وہ کتنی بھی خراب کیوں نہ ہوں۔ جہاں آئندہ سالوں میں اسلام کے اندر اتحاد پیدا ہونے کا امکان کم ہے، وہاں آبادیاتی پہلوؤں سے کافی خوش امیدی کی گنجائش ہے۔ اکثر مسلم ممالک میں شرح پیدائش کم ہو رہی ہے۔ بلقان میں خاص طور پر ڈرامائی تبدیلی آئی ہے لیکن سعودی عرب سمیت کچھ مسلم معاشروں میں ابھی تک شرح پیدائش حسب سابق بلند ہے۔ ۲۰۲۰ء تک امید ہے کہ مسلم نوجوانوں کی تعداد میں کمی آ رہی ہوگی۔ تب تک یہ سوچا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے مسلم جنگوں کا دور تاریخ کے صفحات میں گم ہوتا چلا جائے